مولانا اخلاق حسین قاسمی (دہلوی)

سیکولر ملکوں میں اسلام کا رول

سیکولر نظام وہ جمہوری نظام ہے جو اپنے رفاہی مقاصد کی تکمیل کے لیے اپنے تمام شہریوں سے مکمل تعاون طلب کرتا ہے۔

عوام کا یہ تعاون ایک جمہوری نظام کو اس وقت حاصل ہوتا ہے، جب وہ تمام طبقوں اور تمام مذہبوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے اور ہر قسم کے ترجیحی برتاؤ سے اپنا دامن بچائے اور اس کے ساتھ اس کے تمام شہریوں کے اندر مذہب، رنگ ونسل اور زبان کے فرق کے باوجود ہر سطح پر رواداری اور برادرانہ جذبات موجود ہوں اور ہر طبقے کے عوام ملکی اور قومی مفادات کے تحفظ کی ذمے داری متحد ہو کر پوری کریں، کیوں کہ ایک انتشار زدہ قوم اپنے جمہوری اسٹیٹ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

اس سلسلے میں جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، اسلام اپنے بنیادی اصولوں کے لحاظ سے ہی انسانیت دوست، انصاف پرور اور جمہوری قدروں کا حامل ہے اور اسلام کی یہی وہ خوبی ہے جس کے سبب اسلام مسلم ملکوں سے زیادہ سیکولر ملکوں میں اپنی افادیت اور اہمیت تسلیم کراتا ہے۔

(ایک طبقے کا خیال ہے کہ اسلام صرف اقتدار کے ماحول میں زندہ رہ سکتا ہے۔ لیکن اس طرح سوچنے والے اسلام کی اخلاقی طاقت کا صحیح اندازہ نہیں لگا پاتے اور اسلام کے دِل میں مخلوقِ خدا کے لیے جو بے پناہ ہمدردی ہے اور اس ہمدردیِ خلق کی وجہ سے اس کے حق میں قبول واحترام کا جو جذبہ موجود ہے، اس سے بے خبر ہیں۔)

اسلام کا بنیادی اصول تعاون:

اسلام کا بنیادی اصول باہمی تعاون ہے۔ تعاون کا مطلب صرف مسلمانوں کا باہمی میل جول نہیں، بلکہ مختلف مذاہب اور مسلمانوں کا کندھے سے کندھا ملا کر رفاہِ عام کے لیے سرگرم عمل ہونا تعاون کہلاتا ہے۔

یہ علاحدگی پسندی کی ضد ہے اور علاحدگی پسندی کا اسلام کے مزاج سے کوئی جوڑ نہیں لگتا۔

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى. (المائدہ: ۲) قرآنِ کریم کا واضح حکم ہے۔

اس آیت کا شانِ نزول دوست، دشمن، اپنے اور پرائے سب کے ساتھ نیکیوں میں تعاون کرنے کی ہدایت کو واضح کرتا ہے۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃ[1] دین خیرخواہی کا نام ہے--- نصیحت، دلی خیرخواہی کو کہتے ہیں جو ہر قسم کی دنیوی غرض اور مادّی مفاد سے بلند ہو۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام خلقِ خدا کی خدمت کے لیے بے لوث جذبہ عطا کرتا ہے اور یہی وہ پاکیزہ انسانی احساس ہے جو مذہب کے ساتھ سچی وابستگی قائم کیے بغیر پیدا نہیں ہوتا اور ایک سیکولر نظام کے پاس اس جذبے کا کوئی بدل نظر نہیں آتا۔

باہمی تعاون کی راہ میں عام طور پر لوگوں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفیں رکاوٹ بنتی ہیں۔ اس لیے اسلام اپنے ماننے والوں کو ہدایت کرتا ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمَ الَّذِی یُخَالِطُ النَّاسَ وَیَصْبِر اَذَا ھُمْ۔[2] الخ

وہ مسلمان جو پبلک کی تکلیفوں سے گھبرا کر عوام سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے، اس سے وہ مسلمان بہتر ہے جو لوگوں کی تکلیف پر صبر کرتا ہے اور انھی کے ساتھ رہتا ہے۔

اسلام نے فلاحِ عام کے کاموں اور تمدنی ترقی کی راہوں میں تعاون کو بڑھاوا دینے کے لیے اہم اصلاحی اقدامات کیے۔

---

(۱) صحیح بخاری (کتاب الایمان)۔　　(۲) سنن ترمذی (باب القیامہ)۔

بنیادی اصلاح انسانی وقار کی بحالی:

اسلام نے بنیادی اصلاح یہ کی کہ انسانیت کے وقار کو بحال کیا اور مذہب، قومیت، رنگ ونسل اور پیشہ وحرفت کی بنیاد پر جو اونچ نیچ تھی، اس کا مکمل خاتمہ کیا۔

قرآن نے اعلان کیا: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْٓ آدَمَ. (الاسراء: ۷۰) اِنَّا خَلَقْنٰكُم مِنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى. (الحجرات: ۱۳)

خدا تعالیٰ اعلان فرماتا ہے کہ ہم نے تمام اولاد آدم کو عزت بخشی ہے۔ اور ہم نے تمام انسانوں کو ایک مرد وعورت سے پیدا کیا ہے۔ خاندانوں اور ذاتوں کی تقسیم محض تعارف اور پہچان کا ذریعہ ہے۔ فضیلت اور شرافت کا معیار علم وعمل کی برتری ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُم. (الحجرات: ۱۳)

قبل از نبوت چالیس سالہ کردار، بنیادی حقوق کا احیاء

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے چالیس سال انسانی حقوق کے احیاء کی جدوجہد میں صرف کیے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے الفاظ یہ ہیں:

اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحْم وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَقْرِى الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ۔[1] حضورؐ! آپ تو رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتے ہیں اور مجبور و بے سہارا لوگوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں اور مہمانوں کی مدارت کرتے ہیں اور حوادث میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

پہلی وحی کے موقعہ پر جب رسولِ پاکؐ اضطراب کی حالت میں گھر تشریف لائے تو آپؐ کی رفیقۂ حیات نے آپؐ کو تیں چالیس سالہ زندگی کے اوصاف یاد دِلا کر اطمینان دِلایا کہ آپؐ کسی حادثے کا شکار نہیں ہوسکتے، آپؐ نے تو آج تک اتنا بلند اخلاقی کردار پیش کیا ہے۔

بچپن کے دس بارہ سال نکال کر تیں سال قبل از نبوت کے اور پھر نبوت کے بعد ۱۳

---

(۱) صحیح بخاری (باب وحی کا آغاز)۔

سال مکہ کی زندگی کے۔ یہ ۴۵ سال حضورؐ نے صرف انسانی بنیادی حقوق کے احیاء پر صرف کیے، گرے ہوئے انسان کو اُٹھایا، اس کی عزت کو بحال کیا۔

اسلام کے تفصیلی احکام کا زمانہ مدینہ منورہ کا دس سالہ عہد ہے۔ انھی دس سال کے اندر اسلامی نظام کی تدریجی طور پر تکمیل ہوئی۔ یعنی پہلے انسان کو فکر و عمل کی دلدل سے نکالا، پھر اسے ایک نظامِ حیات عطا کیا۔

اسلام کے پانچ بنیادی ارکان:

اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ہیں۔ توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج بیت اللہ۔ ان بنیادی ارکان کے ذریعے ایک طرف بندے اور مالکِ حقیقی کے درمیان وہ خاص تعلق پیدا ہوتا ہے، جسے عبودیت کہا جاتا ہے اور دوسری طرف یہ عباداتِ خمسہ انسان کے اندر اعلا سماجی اوصاف اور عمدہ اخلاق پیدا کرنے کا وسیلہ ہیں۔ نماز جیسی بنیادی عبادت کے مقصد کرتے ہوئے قرآنِ کریم نے بتایا:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ. (العنکبوت: ۴۵) بے شک نماز انسان کو بے شرمی اور برائی کی باتوں سے روکتی ہے۔

توحید کا عقیدہ انسان کو ہر قسم کی ذہنی پستی اور توہم پرستی سے نجات دِلاتا ہے اور انسان پر عقلی اور فکری ترقی کی راہیں کھولتا ہے۔ زکات معاشرے کی مالی امداد کرتا ہے اور معاشرے کو معاشی پستیوں سے نکالنے کی کوشش ہے۔ روزہ انسان کے اندر ضبطِ نفس اور قوتِ برداشت پیدا کرتا ہے۔ حجِ بیت اللہ کے ذریعے توحید و مساوات کی قدیم روایات اور ملّتِ ابراہیمی کی مرکزیت سے وابستگی قائم رکھنا ہے۔

پانچ بنیادی حقوق:

ذیل میں اسلام کے وہ پانچ اصول درج کیے جاتے ہیں، جو عظمتِ آدم کے تصور کو عملی زندگی کے ہر شعبے میں جاری کرتے ہیں اور دُنیا کا ہر سیکولر قانون بھی ان اصولوں کو بنیادی

حقوق کے طور پر تسلیم کرتا ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات واضح رہے کہ قرآن وسنت نے عدل ومساوات کے اصولِ خمسہ میں براہِ راست اپنے ماننے والوں کو اہمیت کے ساتھ مخاطب کیا ہے تاکہ مسلمان اولاً اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو عدل ومساوات کے بنیادی اصولوں کے سانچے میں ڈھالیں اور دوسروں کے لیے نمونہ بنیں۔ لیکن اس کے ساتھ اسلام تمام انسانوں سے بھی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ان بنیادی حقوق کو تسلیم کر کے زندگی کو آزادی اور امن کا گہوارا بنانے میں مدد دیں۔ اسلام نے ایمان وعبادات کے ارکانِ خمسہ (پانچ ارکان) کے قبول کرنے یا نہ کرنے کے معاملے میں جبر و زبردستی کی اجازت نہیں دی۔ لیکن انسان کے بنیادی حقوق کے معاملے میں اسلام انکار کرنے والوں کے ساتھ کسی قسم کا سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہیں۔

یہی وہ فکر اور جارح طبقہ ہے جس کے جبر وتشدد کی روک تھام کے لیے اسلام کے ساتھ نہایت مضبوط دفاعی احکام موجود ہیں۔

انسانی جان کی حفاظت، سیاسی انصاف

انسانی حقوق میں سب سے پہلا بنیادی حق یہ ہے کہ انسان کی جان اور اس کے خون کی حفاظت کی جائے۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو مخاطب کر کے یہ عام ہدایت کی:

لَاتَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَق. (بنی اسرائیل: ۳۳) کسی بے قصور جان کو قتل نہ کیا جائے۔ جو شخص کسی بے گناہ انسان کو قتل کرے گا وہ پوری انسانیت کو قتل کرنے کا مجرم ٹھہرے گا۔

مذہبی آزادی کی حفاظت:

اسلام نے ہر شخص کے لیے مذہب وعقیدے کی آزادی کو تسلیم کیا۔ مذہبی اختلاف کے سبب کسی انسان کی جان و مال اور اس کی آبرو سے کھیلنا اسلام میں سخت ترین جرم ہے۔

لَا اِکْرَاہَ فِیْ الدِّیْن. (البقرۃ:۲۵۶) دین کے معاملے میں کوئی زور و زبردستی نہیں۔ مذہبی آزادی کی حفاظت کے سلسلے میں ضروری تھا کہ مذہبی تعصب کو ختم کیا جائے۔ چنانچہ قرآن نے حکم دیا:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہ. (الانعام:۱۰۸) مسلمانو! دوسرے لوگوں کی طرح کسی طبقے کے مذہبی پیشواؤں کی شان میں گستاخی کی روش اختیار نہ کرنا۔

اسلام نے مذہبی معاملے میں نہایت وسیع النظری کا ثبوت دیا اور ہر قوم اور ہر ملک میں آسمانی تعلیم کے آنے کا اعتراف کیا اور اسے ایمان کے اجزا میں شامل کیا۔قرآن نے کہا:

وَلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ. (الرعد:۷) وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْل. (یونس:۴۷) ہر قوم میں ہادی اور رسول آئے۔ اسلام نے مذہبی اختلاف کی بنا پر غیر مسلم رشتہ داروں کی حق تلفی کرنے سے روکا۔ غیر مسلم ماں باپ کے حق میں ہدایت کی:

وَصَاحِبْھُمَا فِیْ الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا. (لقمان:۱۳) ان کے ساتھ بہترین سلوک کیا جائے۔

اسی طرح تمام غیر مسلم رشتے داروں کے درجہ بدرجہ جو اخلاقی حقوق ہیں، ان کی ادائیگی اسلام میں ضروری ہے۔

ہر مذہبی حلقے میں یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ جو شخص ہمارے حلقے سے باہر ہے، وہ کسی بھی حال میں ابدی نجات کا حقدار نہیں ہے، لیکن اسلام اس تعصب پسندی سے بلند ہے اور اسے ایک سطحی خیال قرار دیتا ہے۔

(اسلام کہتا ہے کہ جب تک مسلمان دینِ برحق کو تعلیم کے ذریعے دِماغوں تک پہنچانے اور خدمت و اخلاق کے ذریعے دِلوں میں اُتارنے کا کام اتمام حجت کی حد تک انجام نہیں دیتے، اس وقت تک جو لوگ اس ابلاغِ بیّن سے محروم رہیں گے، وہ عذابِ الیم کے مستحق نہیں ہوں گے۔)

کسی انسان پر دوزخی ہونے کا فتویٰ لگانے سے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ داعیانِ

اسلام نے اس پر دینِ توحید کی حجت تمام کر دی یا نہیں؟

(محققینِ اسلام میں شیخ احمد سرہندیؒ، شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ نے لکھا ہے کہ خدا کے وہ بندے جو اتمامِ حجت سے محروم رہتے ہیں، وہ ''اصحاب الاعراف'' اور اہلِ فترت کے حکم میں ہیں اور انھیں عذابِ الیم نہیں دیا جائے گا)

انسانی عزت و ناموس کی حفاظت (سماجی انصاف):

مذہب اور رنگ و نسل کے بھید بھاؤ کی بنا پر کسی انسان کی عزت و آبرو سے کھیلنے کی بھی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں۔

قرآنِ کریم نے ہدایت کی:

لَا يَسْخَرْ قَومٌ مِّنْ قَوْمٍ. (الحجرات: ۱۱) کوئی گروہ کسی گروہ کا مذاق نہ اُڑائے اور نہ کسی کو برے القاب سے پکارا جائے۔

(علماءِ اسلام نے اس آیت کے تحت لکھا: **ویجب کف الاذی و تحرم غیبته کالمسلم.**[1] یعنی غیر مسلموں کو اذیت پہنچانے سے بچنا واجب ہے اور ان کو پیٹھ پیچھے برا کہنا گناہ کی بات ہے--- یہ انسانی عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے قانونی مساوات کی بہترین مثال ہے۔)

مال وملکیت کے تحفظ کا حق (معاشی انصاف):

مذہبی حلقوں میں یہ خیال پھیلا ہوا تھا کہ دوسرے مذہب والوں کا مال کھا جانا روا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيْل. (سورة آلِ عمران:۷۵) اسلام نے اس خیالِ باطل کو کنڈم کیا اور اعلان کیا:

لَا تَأْكُلُوا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ. (سورة بقره:۱۸۸) آپس میں ایک

---

(۱) درالمختار، ج ۳، ص ۲۷۳۔

دوسرے کا مال ناجائز طریقے پر نہ کھایا کرو۔

حضرت علیؓ نے قرآنِ کریم کے منشا کی وضاحت کی اور فرمایا:

اَموَالُھُم کَاَموَالِنَا وَدِمَائُھُم کَدِمَائِنَا.[1] (غیر مسلم طبقے کا) مال اور اُن کا خون ہمارے مال اور ہمارے خون کی طرح محترم اور محفوظ ہے۔

ضروریاتِ زندگی کا بنیادی حق:

رب العالمین نے کائناتِ عالم کی پرورش و ربوبیت کے نظام میں نیک و بد، ہر انسان کے لیے یکساں جگہ رکھی ہے۔ اس کا آسمان، اس کی زمین، اس کا سورج اور اس کا چاند۔ یہ سب تمام مخلوق کو کسی امتیاز کے بغیر زندگی کا سروسامان مہیا کر رہے ہیں۔ اکبر الہ آبادی نے کہا:

کفر و اسلام کی تفریق نہیں فطرت میں
یہ وہ نکتہ ہے جسے میں بھی بمشکل سمجھا

اِسی طرح مالکِ کائنات کے آخری دین اسلام نے زندگی کی لازمی ضروریات: روٹی، کپڑا، مکان اور علاج کو انسان کا بنیادی حق تسلیم کیا۔

قرآنِ کریم نے اعلان کیا:

وَفِی اَموَالِھِمْ حَقٌّ لِّلْسَّائِلِ وَالْمَحْرُوم. (الذاریات: ۱۹) مالداروں کے مال میں سائل اور ضرورت مند کا حق ہے۔

بحیثیت اسلام کے نمائندے کے، ایک مسلمان کی یہ ذمے داری قرار دی کہ

لَیسَ الْمُومِنَ مَنْ یَشْبَع وَجَارُہٗ جَائِعٌ. وہ شخص مومن کہلانے کا حق دار نہیں، جو خود اپنا پیٹ بھرے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔

پھر اسلام نے پڑوسی کا وہ تصور دیا جو اس کی شانِ تکمیلی کا مظہر ہے۔ قرآن نے کہا، پڑوسی تین قسم کے ہیں: وَالْجَارِ ذِیْ الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ.

---

(۱) کتاب الخراج، ص ۲۰۹۔

(النساء: ۳۶) رشتہ دار پڑوسی، اجنبی پڑوسی، برابر والا--- یہ برابر والا--- عارضی پڑوسی، ریل و جہاز کے سفر کا ساتھی، بازار اور اسکول کا ساتھی، چند گھنٹے کا ساتھی یا چند منٹ کا ساتھی--- اس کی دیکھ بھال اور اس کے ساتھ بھی حسنِ سلوک ایک مستقل پڑوسی کی طرح کیا جائے گا۔

اسلام نے انسانی ضروریات کی فراہمی کے لیے زراعت، تجارت، صنعت و حرفت کی ترقی میں حصہ لینے کو عبادت کے درجے کی نیکی قرار دیا، تا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ عبادت کے نام پر گوشہ نشینی کی بدعت میں مبتلا ہو جائیں۔

اسلام نے اخلاقی اور قانونی، دونوں طریقوں سے اس بات کا انتظام کیا کہ کچھ صاحبِ ثروت لوگ انفرادی آزادی اور ذاتی ملکیت کی آڑ میں وسائلِ حیات پر سانپ بن کر نہ بیٹھ جائیں:

كَیْ لَایَكُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُم. (الحشر: ۷) اسلام کو اس بات سے چڑ ہے کہ دولت چند دولت مندوں کے پاس سمٹ کر رہ جائے۔ اسلام کی روح اسوۂ رسولؐ ہے اور اسوۂ رسولؐ میں سادگی، زہد اور ایثار ہے۔ تعیش، ترفع اور تموّل نہیں---

اسلامی عدل و مساوات اور آزادیِ رائے اور جمہوریت کے یہ وہ اصولِ خمسہ ہیں، جن پر رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفاء نے دُنیا کے ایک بڑے حصے پر عرصۂ دراز تک سیاسی اور اجتماعی نظام چلا کر دِکھایا اور آزادی اور ترقی کی ایک روشن تاریخ بنا کر دُنیا کے سامنے پیش کر دی تا کہ آنے والی دُنیا علم و سائنس کے دَور میں اس تاریخ سے روشنی حاصل کرے۔

بقول موسیو، لی، بان، آج کا سائنسی دَور اسلامی تاریخ کے احسان کو فراموش نہیں کر سکتا۔
اختصار ملحوظ ہے، ورنہ اسلامی عدل و جمہوریت کی چند اور روشن مثالیں پیش کی جاتیں۔
البتہ آخری دَور کے ایک مغل حکمران عالم گیر کا ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ غور کرو، عالم گیر کی سیکولر بادشاہت کن اصولوں پر چل رہی تھی اور وہ غریب آج کتنا بدنام کیا جاتا ہے۔

مذہبی آزادی اور عالم گیر بادشاہ:

مذہبی آزادی کے سلسلے میں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ اسلامی اقتدار میں غیر مسلم باشندے کو سرکاری ملازمتوں اور سرکاری عہدوں کے لیے مقرر کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ مذہبی آزادی کے اصول کا تقاضا یہ ہے کہ کسی غیر مذہب والے کے ساتھ کسی میدان میں امتیاز نہ برتا جائے اور سماجی اور معاشی زندگی کے تمام مواقع ملک کے ہر باشندے کے لیے یکساں ہوں۔

اس سلسلے میں اورنگ زیب بادشاہ کا ایک شاہی فرمان نقل کرنا کافی ہوگا، کیوں کہ اورنگ زیب کے متعلق مذہبی تعصب کی کہانیاں بہت مشہور کر دی گئی ہیں۔

Preaching of Islam (دعوتِ اسلام) کے معروف عیسائی مصنف سر تھامس آرنلڈ نے لکھا ہے: ''اورنگ زیب کے فرامین اور مراسلات کے ایک قلمی مجموعے میں جو ابھی تک طبع نہیں ہوا، مذہبی آزادی کا وہ جامع اصول درج ہے جو ہر بادشاہ کو اپنی غیر مذہب والی رعایا کے ساتھ برتنا ضروری ہے۔''

واقعہ یہ ہوا کہ عالم گیر کو کسی مسلمان نے یہ عرضی دی کہ دو پارسی (آتش پرست غیر مسلم) ملازموں کو جو تنخواہ تقسیم کرنے پر مقرر ہیں، برخاست کر دیا جائے، کیوں کہ وہ آتش پرست مجوسی ہیں اور ان کی جگہ کسی معتمد مسلمان کو رکھا جائے، کیوں کہ قرآن شریف میں آیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ. (الممتحنہ: ۱)

اے مسلمانو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

عالم گیر نے اس درخواست کے جواب میں لکھا:

''مذہب کو دُنیا کے کاروبار میں کوئی دخل نہیں اور نہ سرکاری معاملات میں تعصب کو جگہ مل سکتی ہے''[1] قرآن شریف میں ہے:

---

(۱) ملاحظہ ہو، حمید الدین خان: احکامِ عالمگیری، ترجمہ ڈاکٹر مولوی خالد حسن قادری (یکے از مطبوعات ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۳ء)، ص ۸۹ و ۱۵۶-۱۵۷، 'اُمورِ دُنیا را بامذہب چہ نسبت؟ وکارہائے نسبت را بہ تعصب چہ دخل'، (ص ۱۵۶) (ایڈیٹر)۔

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ. (الکافرون: ٦) اے مخالفو! تمہارا دین تمہارے ساتھ اور میرا دین میرے ساتھ---

پھر عالم گیر لکھتا ہے:

(''عرضی گزار نے جو آیت اوپر لکھی ہے، اگر سلطنت کا یہی دستور العمل ہوتا تو ہم کو چاہیے تھا کہ ملک ہندوستان کے تمام راجاؤں اور ان کی رعایا کو ہلاک کر دیتے۔ مگر یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ بادشاہی نوکریاں، لوگوں کی لیاقت اور قابلیت کے موافق ملیں گی اور کسی لحاظ سے نہیں مل سکتیں۔''[۱])

حبِ وطن کا جذبہ:

اسلام نے عالم گیر انسانی اخوت کے جذبہ کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ہر مسلمان کو اپنے وطن سے محبت کرنے اور اس کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینے کی بھی ہدایت کی ہے۔

حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِيْمَان. وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے--- حضرت شیخ سرہندیؒ نے اس فقرے کو خبر صحیح قرار دیا ہے۔[۲]

(حضرت عمرؓ کا قول ہے: لَوْلَا حُبُّ الْوَطَنِ لَخَرِبَ الدِّيَار. [۳] اگر اپنے وطن کی محبت انسان کے اندر نہ ہو تو شہر ویران ہو جائیں۔)

(وہ مقام جہاں مسلمانوں کے دینی شعائر پر کوئی آئینی پابندی نہ ہو، وہ مسلمانوں کے لیے مادرِ وطن ہے اور مادرِ وطن کی تعمیر و ترقی اور اس کے تحفظ و دفاع کی ذمے داری میں مسلمانوں کو دوسرے برادرانِ وطن کے ساتھ حصہ لینا ضروری ہے۔)

رہا خاص طور پر ہندوستان کا معاملہ، تو ہندوستان مسلمانوں کا وہ عزیز وطن ہے، جس کے چپے چپے پر مسلم تہذیب کے آثار کندہ ہیں۔ سیکڑوں برس مسلمانوں نے اس وطن کی خدمت

---

(۱) دعوتِ اسلام، ترجمہ پریچنگ آف اسلام، مطبوعہ لاہور، ص ۲۱۲۔

(۲) مکتوبات، حصہ سوم، مکتوب نمبر ۱۵۵۔

(۳) تفسیر روح البیان، جلد ۲، ص ۴۴۲۔

کی ہے اور اسے علوم وفنون اور تمدن سے مالا مال کیا ہے۔

غیر ملکی طاقت سے اس وطنِ عزیز کو آزاد کرانے کے لیے مسلم نمائندوں نے برادرانِ وطن کے ساتھ قربانیاں دیں ہیں اور پھر آزادی کے بعد مسلم نمائندوں، برادرانِ وطن کے ساتھ مل کر ملک کے لیے ایسا سیکولر دستور بنایا، جس کے ڈھانچے میں ہندوستان کے کروڑوں باشندے اپنی صدیوں پرانی روایات کو باہمی رواداری اور برادرانہ دِل داری کے ساتھ زندہ رکھ سکیں۔

چنانچہ ہمارے ملک کا یہ سیکولر دستور قانونِ اسلامی کی روح سے ایک معاہدہ ہے جس کے تحت ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، ہندوستان کے سیاسی اقتدار میں برابر کے شریک ہیں۔ آزادی کے ۳۲ سال گواہ ہیں کہ ہم ہندوستانی مسلمانوں کے کسی دباؤ، کسی خوف یا کسی لالچ سے نہیں، بلکہ اپنے مقدس مذہب کی روشنی میں پورے شعورِ ایمانی کے ساتھ اپنی وطنی ذمّے داریوں کو پورا کیا ہے--- اور ہمارا یہی شعور ہم کو یہ جرأت عطا کرتا ہے کہ ہم دستورِ ہند کے دیئے ہوئے حق کے مطابق اپنے ملّی اور شہری حقوق کے لیے جدوجہد کریں۔ نہ ادائے فرض میں کوتاہی کریں اور نہ تحصیلِ حقوق میں کمزوری دِکھائیں۔

ہندوستان سے جذباتی تعلق:

ہندوستان کی سرزمین سے ایک توحید پرست ملّت ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کا خاص جذباتی تعلق بھی ہے۔

اس تعلق پر علامہ غلام علی آزاد بلگرامیؒ نے ایک بے نظیر عربی کتاب ''سبحۃ المرجان فی آثارِ ہندستان'' تحریر فرمائی ہے۔ علامہ آزاد کی ہستی کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ امام شاہ ولی اللہ الدہلویؒ کے ہم عصر ہیں۔

آپ نے اس کتاب کی فصلِ اوّل میں تفسیر و حدیث کی کتابوں سے ہندوستان کی روحانی عظمت پر بیس آثار نقل کیے ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابنِ عباسؓ، حضرت انسؓ، حضرت عبداللہؓ جیسے اکابر صحابہ اور حضرت حسنؒ بصری، حضرت

عطاءؒ جیسے اکابر تابعین کے حوالوں سے لکھا ہے کہ حضرت آدمؑ ہندوستان ہی کے ایک حصے میں جنت سے اُتارے گئے۔

اس لیے ہندوستان کو یہ شرف حاصل ہے کہ وحی الٰہی اور علومِ نبوت کا پہلا مہبط اور پہلا مسکن یہی ہے۔

کشمیر اور انسانی عظمت کا پیغام:

مسلم حلقوں میں تشدد اور برادر کُشی کے واقعات کو دیکھ کر بعض لوگ اسلام کو اس کا ذمے دار ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ہر انصاف پسند ذہن جس نے اسلام کا صحیح صحیح جائزہ لیا ہے، وہ اس بات کو سمجھتا ہے کہ اسلام اور امن وسلامتی لازم وملزوم ہیں۔ اگر کچھ حلقوں میں کبھی کبھی اس کے برعکس کچھ ہوتا ہے، تو وہ اسلام نہیں۔ اسلام کی نافرمانی ہے۔

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اسلام کا مکمل ترجمان ہے۔ آپؐ کا اسوۂ پاک بتاتا ہے کہ اسلام ہر معاملے میں دعوت کی راہ اختیار کرتا ہے اور دعوت کی راہ تعلیم وتفہیم، حکمت وموعظۃ اور سنجیدہ استدلال کی راہ ہے۔

اس راہ میں صبر وتحمل کا حکم ہے--- بے صبری، جلد بازی اور ہلکے پن کی ممانعت ہے۔ عفو ودرگذر کی ہدایت ہے--- انتقام واشتعال کی مذمت ہے۔ دعوت کی راہ انقلاب کی راہ نہیں، ارتقاء کی راہ ہے۔ اس میں تعجیل نہیں، تدریج ہے۔

حضرت امیر کبیر کا پیغام:

اسلام کی اصلاحی اور دعوتی جدوجہد کا ایک قابلِ تقلید نمونہ کشمیر کے داعی حضرت سیّد علی ہمدانیؒ (۱۳۱۴ء) کی زندگی میں ملتا ہے۔ بجاطور پر علامہ اقبالؒ نے حضرت امیر کبیر کے بارے میں فرمایا ہے: دست او معمار تقدیرِ امم۔

حضرت امیر کبیر ایران کے باشندے تھے، جہاں اس وقت تیمور لنگ (۱۴۰۵ء-۱۳۳۵ء) کی حکومت تھی۔ تیمور اُن سے کسی بات پر ناراض ہوگیا اور انھیں ایران سے

نکل جانے کا حکم دے دیا۔ امیر کبیر اپنے چالیس ساتھیوں کے ساتھ کشمیر تشریف لے آئے۔ اس وقت یہاں ایک مسلم حکمراں سلطان قطب الدین کا راج تھا۔ اور اس کی حکومت بہت سی اعتقادی اور عملی کمزوریوں کا شکار تھی۔

(حضرت ہمدانیؒ نے کشمیر آ کر نہ تو ایران کے مسلم حکمراں کے خلاف جہاد کا نعرہ لگایا اور نہ ہی کشمیر کے مسلم حکمراں کو گدی سے ہٹا کر کسی صالح حکمراں کو اس کی جگہ بٹھانے کی جدوجہد کی۔ اس کے بجائے حضرت ہمدانیؒ نے خالص پیغمبرانہ حکمتِ عملی کے مطابق حضرات مشائخ چشتیہ کی طرح خاموشی سے تعلیم و اصلاح کا کام شروع کر دیا۔) ان کے رفقاء کشمیر کے مختلف حصوں میں پھیل گئے۔ کشمیری زبان سیکھی، کشمیری سماج سے اپنے آپ کو ہم آہنگ کیا۔ پوری توجہ اصولِ دین پر دی۔ مذہب کے فروعی اختلافات سے اپنے کام کو الگ رکھا۔ وہ شافعی المشرب تھے، مگر انتشار سے بچنے کے لیے کشمیر کے عام مسلک حنفیت پر خود بھی عمل کیا اور نئے آنے والوں کو بھی اسی پر عمل کرنے کی تلقین کی۔

اس پیغمبرانہ طریقۂ کار کا نتیجہ ہے کہ آج کشمیر اگر حسنِ ظاہری میں جنت نظیر ہے تو تمام انسانوں کے لیے بلا کسی امتیاز کے امن و سلامتی کا گہوارہ ہونے میں بھی جنت نشاں کہلانے کا مستحق ہے۔ اقبال کہہ گئے ہیں:

ہو چکا گو قوم کی شانِ جلالی کا ظہور
ہے مگر باقی ابھی شانِ جمالی کا ظہور